علم و عمل

(احمدی احباب کی تعلیم وتربیت کیلئے)

علم وعمل

عطاء المجیب راشد

امام بیت الفضل لندن

پیش لفظ

بفضلِ خدا لجنہ اِماءُ اللہ ضلع کراچی صد سالہ جشن تشکر کے سلسلہ کی اکانوے ویں پیشکش منظر عام پر لانے کی توفیق پا رہی ہے۔ یہ کتاب 'علم وعمل' مکرم محترم عطاالمجیب راشد صاحب امام بیت فضل لندن کی جلسہ سالانہ جرمنی 2002ء کی ایک تقریر ہے جوانہوں نے ازراہِ کرم لجنہ کراچی کے کتب کی اشاعت کے پروگرام میں حصہ ڈالنے کے لئے بھجوائی ہے۔ جس کے لئے ہم مولانا موصوف کے انتہائی شکر گزار ہیں۔ 'علم وعمل' ہماری کتب میں ایک نہایت قابل قدر اور مفید اضافہ ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

احباب جماعت آپ کی موضوع پر عالمانہ گرفت اور بیان کی سحر انگیزی کے لذّت چشیدہ ہیں۔ کتاب کا مطالعہ روحانی لطف سے بھرپور ہوگا اور علم کے ساتھ عمل کی اہمیت واضح ہوگی۔

ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ سے علم قرآن پاک کے ذریعے سیکھا اور اس علم پر عمل کرکے **اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عظیم** کا رتبہ پاتے ہوئے دنیا کے رہنما بنے اور ہمیشہ کے لئے بنی نوع انسان کے لئے اسوہ حسنہ قائم فرمایا۔

دنیا میں جتنے بھی باخدا اور باکمال انسان گزرے ہیں ان کے حالات زندگی کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کی مساعی کا محور علم اور عمل ہی رہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ایک نشست میں پڑھا جانے والا یہ مضمون زندگی کو بامقصد بنانے کی تحریک کرے گا۔ انشاء اللہ۔ محترم قارئین سے درخواست ہے کہ شعبہ اشاعت کی سیکرٹری عزیزہ امۃ الباری ناصر اور ان کی معاونات کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں جن

کی محنت اور لگن کی بدولت علم کے یہ خزانے آپ سب تک پہنچتے ہیں فجز اھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

علم وعمل

مِنَ الْمُؤْ مِنِيْنَ رِجَال'' صَدَقُوْا مَا عَا هَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ج
فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلاً

(الاحزاب24:33)

علم وعمل کا موضوع بظاہر بہت ہی سادہ، مختصر، آسان اور محض دو الفاظ پر مشتمل دکھائی دیتا ہے لیکن بنظر غور دیکھا جائے تو یہ اپنے اندر معانی اور مفاہیم کی گہرائی اور مضامین کی غیر معمولی وسعت اور جامعیت رکھتا ہے۔

علم وعمل دراصل دو ایسے دائرے ہیں جنہوں نے ہماری ساری زندگی کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ابتدا سے لے کر انتہا تک ہماری جدوجہد، خواہ وہ دین سے تعلق رکھتی ہو یا دنیا سے۔ انہی دو دائروں پر مشتمل دو محوروں کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ علم اگر بیج کی طرح ہے تو عمل اس کا پھل ہے۔ علم کے بغیر نہ دین کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں اور نہ دنیا کی ضروریات۔ اور دوسری طرف عمل نہ ہو تو انسان کو نہ دین کے میدان میں کچھ حاصل ہوتا ہے اور نہ دنیا میں۔ علم کے بغیر صحیح عمل کا تصور ممکن نہیں اور اگر عمل نہ ہو تو محض علم ایک بے فائدہ چیز ہے۔ علم کا مقصد ہی یہ ہے کہ علم کی روشنی میں انسان عمل کی شاہراہ پر گامزن ہو اور بالآخر صحیح علم اور مناسب حال عمل صالح کی برکت سے اپنے مقصد کو پالے۔ اس لحاظ سے علم وعمل باہم لازم وملزوم ہیں۔ ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں جن کے بغیر انسانی زندگی کی گاڑی چل نہیں سکتی۔ ان میں توازن بھی ضروری ہے اور موافقت بھی۔ حق یہ ہے کہ علم وعمل ہماری زندگی کا ماحصل اور نچوڑ ہیں۔

ہماری فلاح اور کامیابی کا محور اور معیار ہیں۔ ہماری بقا اور ترقی کی ضمانت ان دو الفاظ میں مضمر ہے۔ ہماری سرخروئی اور شاد کامی کا راز ان دو الفاظ میں پوشیدہ ہے۔ پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ایک احمدی کی زندگی کا ماٹو اور نصب العین علم و عمل کے دو مختصر الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

لغوی لحاظ سے کسی چیز کی حقیقت معلوم کرنے کو علم کہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

> قرآن کے عرف میں علم اس چیز کا نام ہے کہ جو قطعی اور یقینی ہو۔

(براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد 1 ص 295 حاشیہ)

نیز فرمایا۔

> ”حقیقی علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے عطا کرتا ہے۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہوتا ہے اور خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا (الفاطر 29:35) اگر علم سے اللہ تعالیٰ کی خشیت میں ترقی نہیں ہوتی تو یاد رکھو وہ علم ترقیٔ معرفت کا ذریعہ نہیں ہے۔“

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 11)

قرآن کریم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بنی نوع انسان کی تخلیق کے بعد انسان پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان اور انعام، علم کا عطا کیا جانا ہے جس کے ذریعہ وہ قوت بیان حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ (الرحمٰن 5:55)

کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا اور اسے بیان سکھایا۔

نیز فرمایا۔ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ (العلق 6:96)

کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

علم کی نعمت اوّل طور پر خدا کے نبیوں کو عطا کی جاتی ہے تا کہ وہ اپنی قوم کے معلم بن سکیں۔

احادیث نبویہ میں علم حاصل کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔

طَلَبُ الۡعِلۡمِ فَرِیۡضَۃ” عَلٰی کُلِّ مُسۡلِمٍ وَّ مُسۡلِمَۃٍ

کہ علم حاصل کرنا ہر مسلم مرد اور عورت پر فرض ہے۔

ایک دوسری حدیث میں یہ تاکید ہے کہ

اُطۡلُبُوا الۡعِلۡمَ مِنَ الۡمَھۡدِ اِلَی ا للَّحۡدِ

کہ پنگھوڑے کی عمر سے لے کر قبر میں داخل ہونے تک علم حاصل کرتے چلے جاؤ۔

ایک تیسری حدیث میں یہ ارشاد ملتا ہے۔

اُطۡلُبُوا ا لۡعِلۡمَ وَ لَو بِالصّیۡنِ

کہ علم حاصل کرنے کی خاطر اگر تمہیں چین تک بھی سفر کرنا پڑے تو ضرور جاؤ۔

حدیث میں بنیادی طور پر علم کی دو قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ علم الادیان اور علم الابدان۔ دینی علم کو ہر دوسرے علم پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ دینی علم کی برکت سے دنیا بھی سنور جاتی ہے اور آخرت بھی جبکہ دنیاوی علوم کا دائرہ اثر صرف اس دنیا تک ہے۔

قرآن مجید نے اس حقیقت کو کھول کر بیان کیا ہے کہ وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے، ہرگز برابر نہیں۔ صاحبِ علم کی فضیلت ایک مسلّم امر ہے۔ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔ حقیقی علم سے انسان میں خاکساری پیدا ہوتی ہے، جو اُس کے لئے درجات کی بلندی اور آخرت میں سرخروئی کا موجب ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔

> ”علم و حکمت ایسا خزانہ ہے جو تمام دولتوں سے اشرف ہے، دنیا کی تمام دولتوں کو فنا ہے لیکن علم و حکمت کو فنا نہیں ہے۔“

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 209)

علم کی اہمیت اور فضیلت جاننے کے ساتھ یہ بات بھی پوری طرح واضح ہونی چاہیے کہ ہر علم کو ہمیشہ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا چاہیے کہ علم حقیقی کا اصل منبع اور مبداء خدائے علّام الغیوب کی ذات ہے۔ وہی علم کا سرچشمہ ہے جو بھی پیتا ہے اسی چشمۂ صافی سے پیتا ہے اور درحقیقت عالم اور صاحب علم وہی ہے جو اپنے علم کو اپنا حاصل کردہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ یقین کرتا ہے۔ اور اس محکم یقین کے ساتھ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے در پر دستِ سوال دراز کرتے ہوئے ایک دریوزہ گر کی طرح پڑا رہتا ہے۔ انسان کو یہ درسِ نصیحت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مثال دی ہے کہ انہوں نے کس عاجزی سے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ

لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (البقرہ 33:2)

کہ ہم بالکل بے علم اور تہی دست ہیں اور کچھ نہیں جانتے سوائے
اس بات کے جس کا علم تو ہمیں اپنے فضل سے عطا فرما دے۔

اس حقیقت کو جان لینے کے بعد کہ ہر علم اللہ تعالیٰ سے عطا ہوتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جو اس در سے عطا ہوتا ہے وہی حقیقی علم ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے اور نکلنا چاہیے کہ انسان ہمیشہ اسی در کا سوالی بنا رہے۔ دعائیں قبول کرنے والے اللہ نے مومنوں پر کرم کرتے ہوئے خود اپنی جناب سے انہیں یہ عظیم دعا سکھا دی ہے کہ

قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ 115:20)

کہ ہمیشہ اپنے رب سے یوں دعا گو رہو کہ خدایا تو مجھے اپنی جناب سے علم عطا فرما۔ اور ہمیشہ مجھے علم کے میدان میں ترقی پر ترقی عطا فرماتا چلا جا۔ اسی مضمون کے تسلسل میں ہادی کامل حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی ایک دعا بھی ہمیشہ یاد رکھنے والی ہے۔ آپ نے یہ دعا سکھائی۔

اَللّٰھُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَاعَلَّمْتَنِیْ و عَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَ زِدْنِیْ عِلْمًا

کہ اے میرے مولیٰ! جو علم تو نے مجھے عطا فرمایا ہے اس کو میرے لئے فائدہ مند بنا دے اور ہر وہ بات مجھے سکھاتا چلا جا، جو میرے لئے ہمیشہ فائدہ کا موجب ہو اور اے میرے خدا! میں اپنی جھولی پھیلائے تیرے در پر پڑا ہوا ہوں تو میری جھولی کو ہمیشہ بھرتا چلا جا اور مجھے علم میں ہمیشہ ترقی عطا فرماتا رہ۔

حق یہ ہے کہ علم حقیقی وہی ہے جو نفع مند ہو اور خدا کی بارگاہ میں مقبول عمل وہی ہے جو صالح ہو۔ یہ نکتہ معرفت بتاتے ہوئے ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک اور پیاری دعا سکھائی۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ عِلْماً نَافِعاًوَ عَمَلاً صَالِحاً تَرْضَا ہ

کہ اے میرے اللہ! مجھے ایسا علم عطا فرما جو میرے لئے فائدہ مند ہو اور ایسے عمل کی توفیق دے جو نیک اور مناسب حال ہو اور اس توازن اور حسن کے نتیجہ میں مجھے اپنی رضا کی دولت سے مالا مال کر دے۔ ایک روایت کے مطابق یَرْفَعُنِیْ کے الفاظ بھی آئے ہیں کہ ایسے اعمال کرنے کی توفیق ملے جو میرے درجات کی بلندی کا موجب ہوں۔ یہ دعا قرآن مجید کی اس آیت پر مبنی ہے جس میں آیا ہے کہ۔

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُه

کہ نیک عمل ہی ہے جو انسان کو بلندی کی طرف لے جاتا ہے۔

سیدنا حضرت مسیح پاک علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اضافہ علم کے لئے الہاماً یہ دعا سکھائی

رَبِّ اَرِنِیْ حَقَا ئِقَ الْاَشْیَاء

کہ اے میرے رب! مجھے اشیاء کے حقائق دکھلا۔ (تذکرہ صفحہ 724)

یہ دعا عظیم معارف پر مشتمل ہے اور یاد رکھنے کے لائق ہے۔

علم حاصل کرنے کے بعد اس کو عمل کے سانچے میں ڈھالنا ازبس لازم ہے۔ کیونکہ یہ عمل ہی ہے جو انسان کے خالص ایمان پر گواہ ہوتا ہے۔ ہماری یہ دنیا دارالعمل ہے اور آخرت روز جزاء ہے جس دن ہر انسان اپنے اعمال کے لئے جواب دہ ہوگا۔ قرآن مجید نے محض عمل پر نہیں بلکہ علم اور ایمان کے بعد عمل صالح پر بہت

زور دیا ہے۔ عمل صالح سے مراد وہ عمل ہے جس میں طبعی اور فطرتی قویٰ کا استعمال ہو، حقوق العباد کا خیال رکھا گیا ہو۔ جس میں کسی قسم کا کوئی فساد اور فتور نہ ہو۔ نیک اور مناسب حال ہو، ضرورت کے مطابق ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عمل صالح کی جامع اور سادہ تعریف یہ فرمائی ہے کہ

”عملِ صالح وہ ہو جو محض خدا تعالیٰ کے واسطے ہو۔“ (ملفوظات جلد نہم صفحہ 96)

علم کے بعد اس پر عمل کرنا اور اسلامی اصطلاح کے مطابق اعمال بجا لانا ایک لازمی امر ہے۔ ذوقی بات ہے لیکن اس میں ایک لطیف نکتہ پنہاں نظر آتا ہے کہ علم اور عمل، یہ دونوں الفاظ تین مشترک حروف سے بنے ہوئے ہیں۔ گویا ان کا خمیر ایک ہی بنیاد سے اُٹھایا گیا ہے۔

عمل کی ضرورت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو رہینِ محنت بنایا ہے۔ انسان کو صرف علم، ارادہ یا خواہش سے مقصود حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہی ملتا ہے جس کے لئے وہ کوشش اور محنت کرتا ہے۔ یہ بات ایک انگریزی محاورہ میں خوب بیان کی گئی ہے کہ ”علم ایک خزانہ ہے اور اس کی چابی عمل ہے۔“ ایک شاعر نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے۔

نقوشِ غیب کو قسمت پہ چھوڑنے والو!
یہ نقش بنتے نہیں ہیں بنائے جاتے ہیں

لیکن یہ بات یاد رہے کہ جہاں تک آخرت میں انسان کی نجات کا تعلق ہے اس کا انحصار محض اعمال پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش پر ہے۔ البتہ یہ کہنا یقیناً درست ہے کہ نیک اور صالح اعمال اللہ تعالیٰ کی اِس رحمت کو جذب کرنے کا ذریعہ ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

> ”مبارک وہ جو اپنی کمزوریوں کا اقرار کر کے خدا سے رحم چاہتا ہے اور نہایت شوخ اور شریر اور بد بخت وہ شخص ہے جو اپنے

> اعمال کو اپنی طاقتوں کا ثمرہ سمجھ کر خدا سے انصاف چاہتا ہے۔“

(چشمۂ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 35)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے علم و عمل کے موضوع پر اپنی متعدد کتب میں ذکر فرمایا ہے۔ بالخصوص اپنی معرکۃ الآرا کتاب 'اسلامی اصول کی فلاسفی' میں اس کے مختلف پہلوؤں پر خوب روشنی ڈالی ہے۔ پانچویں سوال کے جواب میں کہ علم اور معرفت کے ذرائع کیا ہیں؟ آپ نے علم کی تین قسموں کا ذکر فرمایا ہے۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ درجہ بدرجہ علم اور معرفت کے مختلف ذرائع میں عقل اور منقولات، فطرت انسانی، الہام الٰہی اور ان عملی تجربات کو بیان فرمایا ہے جن سے گزرنے کے بعد بالآخر انسان حق الیقین کے اعلیٰ ترین مقام کو پا لیتا ہے۔ اس پُر معارف بیان میں آپ نے علم اور عمل کے باہم تعلق اور جوڑ کی وضاحت فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

> ”محض اس علم میں کچھ شرف اور بزرگی نہیں جو صرف دماغ اور دل میں بھرا ہوا ہو بلکہ حقیقت میں علم وہ ہے کہ دماغ سے اتر کر تمام اعضاء اس سے متأدب اور رنگین ہو جائیں اور حافظہ کی یادداشتیں عملی رنگ میں دکھائی دیں۔ سو علم کے مستحکم کرنے اور اس کے ترقی دینے کا یہ بڑا ذریعہ ہے کہ عملی طور پر اس کے نقوش اپنے اعضاء میں جما لیں۔ کوئی ادنیٰ علم بھی عملی مزاولت کے بغیر اپنے کمال کو نہیں پہنچتا۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 445)

اسی نکتۂ معرفت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

> ”بابرکت علم وہی ہوتا ہے جو عمل کے مرتبہ میں اپنی چمک دکھلاوے اور منحوس علم وہ ہے جو صرف علم کی حد تک رہے۔ کبھی

> عمل تک نوبت نہ پہنچے۔ ‘‘

(اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 446)

پھر فرمایا۔

> ’’ علم کا حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچنا اور کیا ہوتا ہے؟ یہی تو ہے کہ عملی طور پر ہر ایک گوشہ اس کا آزمایا جائے۔ چنانچہ اسلام میں ایسا ہی ہوا۔ جو کچھ خدائے تعالیٰ نے قرآن کے ذریعہ سے لوگوں کو سکھایا ان کو یہ موقع دیا کہ عملی طور پر اس تعلیم کو چمکائیں اور اُس کے نور سے پُر ہو جائیں۔ ‘‘

(اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 446)

ان چند کلمات میں امام الزماں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے معارف کا دریا کوزے میں بند کر دیا ہے۔ علم و عمل کا باہمی رابطہ اور تعلق نہایت خوبصورتی سے کمال جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ حق یہ ہے کہ علم ایک بیج کی طرح ہے، جب تک اِس علم کے بیج سے روئیدگی نہ پھوٹے، عمل کے پھل اور پھول نہ کھلیں، تو ایسا ہی علم، خواہ کتنا ہی ہو محض ایک جامد، بے حقیقت اور بے فائدہ چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکمل ترین مذہب اسلام میں علم کی عظمت اور برکت کے بیان اور اُس کے حصول پر زور دینے کے ساتھ ساتھ عمل پر بہت زور دیا ہے قرآن مجید میں ایمان اور عمل صالح کو اکٹھا باندھ کر بار بار بیان کیا گیا ہے جس میں یہی سِر پنہاں ہے کہ محض زبانی اقرار ایمان، کچھ حقیقت نہیں رکھتا جب تک اُس اقرار کو عمل کے سانچے میں نہ ڈھالا جائے۔

یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ایمان کا سفر دراصل علم سے شروع ہوتا ہے۔ جب یہ علم ترقی کرتے کرتے یقین اور معرفت کی حدود میں داخل ہوتا ہے تو اُس وقت اِسے ایمان کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ایمان بنیادی طور پر دل سے تعلق رکھتا ہے اور

اسلامی تعلیم کے مطابق صرف اتنا کافی نہیں کہ ایک شخص بعض عقائد کا دل سے اقرار کر لے بلکہ جب تک اس ایمان کے عملی تقاضوں کو پورا نہ کیا جائے اور نیک اور مناسب حال اعمالِ صالحہ سے اُس کو اپنی عملی زندگی میں پوری طرح نافذ نہ کیا جائے اُس وقت تک انسان کا ایمان مکمل نہیں کہلاتا پس علم و عمل آپس میں لازم و ملزوم کی طرح اِس طرح باہم پیوست ہیں کہ اِن کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ عمل کے بغیر علم بے سود اور بے کار ہے اور علم کے بغیر ہر عمل حُسن اور صلاحیت سے عاری رہتا ہے۔ نظریاتی اور کتابی علم کا فائدہ تب ہی ہے جب اُس پر عمل کیا جائے۔ روحانی دنیا میں بھی یہی اصول ہے اور عام دنیاوی مشاہدات میں بھی یہی اصول کارفرما نظر آتا ہے۔ دنیا میں ہونے والی ہر نئی ایجاد درحقیقت علم کو عمل کے سانچے میں ڈھالنے ہی کا دوسرا نام ہے۔

علم و عمل کے باہمی تعلق کے بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے ایک لطیف نکتہ اپنی کتاب مرقاۃ الیقین میں بیان فرمایا ہے۔ ایک بار آپ نے خواب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ نے حضورؐ سے پوچھا کہ آپؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو وہ کون سی بات بتائی تھی جس کی برکت سے وہ آپؐ کی حدیثیں یاد رکھتے تھے۔ حضورؐ نے وہ بات بتانے کے لئے اپنا منہ ان کے کان سے لگایا کہ اتنے میں خلیفہ نور الدین (ایک رفیق حضرت مسیح موعود) نے آپ کو جگا دیا کہ نماز کا وقت ہے۔ حضرت خلیفہ اوّل نے لکھا کہ اس خواب سے میری سمجھ میں آیا کہ حدیث پر عمل کرنا ہی دراصل حدیثوں کو یاد کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ لطیف نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔ (مرقاۃ الیقین صفحہ 173)

اسلام میں تصدیق بالقلب کے بعد اقرار باللسان اور عمل بالجوارح پر بہت زور دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ کہ اسلام نام ہی عمل کا ہے۔ اسلام کا لفظی ترجمہ فرمانبرداری اور اطاعت کا ہے اور یہ مضمون صرف زبانی اقرار سے نہیں بلکہ عمل سے ثابت ہوتا

ہے۔ اسی لئے حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے فرمایا۔

> ’’صرف زبان سے بیعت کا اقرار کرنا کچھ چیز نہیں ہے جب تک دل کی عزیمت سے اس پر پورا پورا عمل نہ ہو۔‘‘

(کشتی نوح) روحانی خزائن جلد 19 ص 10

جہاں تک اسلام لانے کے بعد عمل کے تقاضوں کا تعلق ہے اس کا میدان بے انتہا وسیع ہے۔ اس قدر وسیع کہ انسان ساری زندگی بھی ان تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتا رہے تو تب بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے اپنی ذمہ داری کو کما حقہ ادا کر دیا۔

بالآخر یہی الفاظ زبان پر آئیں گے کہ

جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس صورت حال میں ہر مومن کے لئے ایک ہی راستہ ہے جس پر چلنا از بس لازم ہے اور وہ راستہ اپنے آپ کو کلیتہً ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کا اور ہر آن اس کی رضا کی راہوں کو ڈھونڈنے کا اور ہر لمحہ اپنے آپ کو راہ مولیٰ میں فنا کر دینے کا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ درس نصیحت دیا ہے جو ہمیشہ یاد رہنا چاہیے۔ فرمایا

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّاوَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ

کوئی نہیں جانتا کہ کب موت کا بلاوا آ جائے اس لئے سرخروئی اور کامیابی کا یہی وسیلہ ہے کہ زندگی کا ہر لمحہ اس حالت میں بسر کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے سچے فرمانبردار ہو۔ اس مقام کو حاصل کرنا مشکل تو ہے لیکن یہی ایک ذریعہ ہماری فلاح اور سرخروئی کی ضمانت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی زندگی بخش تحریرات میں اس مضمون کو مختلف پیرایوں میں بیان فرمایا ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا:

> ’’چاہیے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔‘‘

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 ص 12)

خدا کو پانے کی راہیں بے شمار ہیں اور انسانی طاقتیں محدود۔ اس صورت میں حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی ایک نصیحت خاص طور پر یاد رکھنے اور حرز جان بنانے کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا۔

> ’’ہر ایک راہ نیکی کی اختیار کرو۔ نہ معلوم کس راہ سے تم قبول کئے جاؤ۔‘‘

(الوصیت روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 308)

خدا تعالیٰ کو پانا مومن کی معراج ہے۔ لیکن اس کوچہ تک رسائی کوئی آسان بات نہیں ۔ یہ زندگی بھر کا سفر ہے جو مسلسل قربانیوں، اصلاح نفس اور فنا فی اللہ کی راہوں سے گزرنے کا نام ہے۔ اب یہی ایک جہاد ہے جس کا سلسلہ زندگی کے آخری سانس تک جاری رہنا چاہیے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے۔

> ’’کیا ہی دشوار گزار وہ راہ ہے جو خدا کی راہ ہے پر اُن کے لئے آسان کی جاتی ہے جو مَرنے کی نیت سے اِس اتھاہ گڑھے میں پڑتے ہیں.....مُبارک وہ جو خدا کے لئے اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں اور بد بخت وہ جو اپنے نفس کے لئے خدا سے جنگ کر رہے ہیں اور اُس سے موافقت نہیں کرتے ۔ جو شخص اپنے نفس کے لئے خدا کے حکم کو ٹالتا ہے وہ آسمان میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ سو تم کوشش کرو جو ایک نقطہ یا ایک شُعشہ قرآن شریف کا بھی تم پر گواہی نہ دے تا تم اسی کے لئے پکڑے نہ جاؤ کیونکہ ایک

> ذرّہ بَدی کا بھی قابلِ پاداش ہے۔ وقت تھوڑا ہے اور کارِ عمر ناپیدا۔ تیز قدم اُٹھاؤ جو شام نزدیک ہے جو کچھ پیش کرنا ہے وہ بار بار دیکھ لو ایسا نہ ہو کہ کچھ رہ جائے اور زیاں کاری کا مُوجب ہو یا سب گندگی اور کھوٹی متاع ہو جو شاہی دربار میں پیش کرنے کے لائق نہ ہو۔''

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 ص 26,25)

علم و عمل کی باتیں بہت ہوچکیں۔ آیئے اب ان مقدس انسانوں کی زندگیوں پر ایک نظر کریں جنہوں نے حقیقی علم حاصل کیا اور حسن عمل اور اعمال صالحہ کی توفیق پائی اور ہمیشہ کے لئے علم و عمل کی حسین مثال بن گئے۔

ہاں وہ مقدس لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو راہ مولیٰ میں کلیۃً گم کر دیا۔ جنہوں نے دین کو دنیا پر مقدم کر دیا۔ جنہوں نے مرضیٔ مولیٰ پر اپنے آپ کو قربان کر دیا اور اس میدان میں دوسروں کے لئے نمونہ ٹھہرے۔ سرخیل ہمارے محبوب آقا ومولا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی زندگی قرآن مجید کی زندہ تفسیر تھی اور جن کو ساری انسانیت کے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا گیا۔ پھر آپ ؐ کے روحانی فرزند جلیل سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو سب سے بڑے عاشق رسول ؐ تھے۔ قرون اولیٰ کے صحابہ کرامؓ اور پھر اس دور آخرین کے رفقائے مسیح موعود جو آسمان روحانیت کے روشن ستارے ہیں۔ ان واقعات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ علم و عمل کے آداب اور قرینے کیا ہیں اور کس کس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی کے شیریں ثمرات حاصل کئے جاتے ہیں۔ آیئے سچے دل سے اپنے نفسوں کا محاسبہ کرتے ہوئے، ایمان افروز واقعات کی اس حسین وادی میں داخل ہوتے ہیں۔

اپنے خالق و مالک کو پہچاننا اور اس کی محبت کو دل میں بسا لینا اور اس کی عبادت کا حق ادا کرنا اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ اسی غرض سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو سب سے بہتر سمجھا اور اس رنگ میں عمل کے سانچے میں ڈھالا کہ ہمیشہ کے لئے اسوہ حسنہ قرار پائے۔ آپ ؐ ہر وقت خدا کا ذکر کرتے۔ ہر لمحہ اس کی یاد میں مصروف رہتے۔ ہر آن رو بخدا رہتے۔ خدا کی محبت میں فنائیت کا یہ عالم تھا کہ آپ ؐ کے دشمن بھی یہ اقرار کرتے کہ عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّہ کہ محمد ؐ تو اپنے رب کا عاشق ہے۔ اللہ کی عبادت آپ ؐ کی روح کی غذا تھی۔ فرمایا قُرَّةُ عَیْنِی فِیْ الصَّلاۃِ کہ دنیا میں اور بھی چیزیں مجھے پیاری ہیں لیکن میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور میری جان کی راحت اپنے رب کی عبادت میں ہے۔ آپ ؐ کو نماز میں ایسا لطف اور سرور آتا کہ آپ گھنٹوں عبادت میں کھڑے رہتے حتیٰ کہ آپ ؐ کے پاؤں لمبے قیام کی وجہ سے سوج جاتے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ایسے ہی ایک موقع پر عرض کیا کہ آپ ؐ تو اللہ تعالیٰ کے پہلے ہی مقرب ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر انعام سے نوازا اور ہر برکت کا وعدہ دیا ہے، پھر آپ ؐ اپنے آپ کو اس قدر مشقت میں کیوں ڈالتے ہیں؟ آپ ؐ نے فرمایا اے عائشہ اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا کیا میرا یہ فرض نہیں بنتا کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بن کر اپنے محسن خدا کے در پر اسی طرح جھکا رہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نماز میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے نیاز ہو کر نماز ادا فرماتے۔ بٹالہ ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے گئے، اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ آپؑ نے خدا کے دربار میں حاضری کو مقدم جانا اور نماز پڑھنے لگ گئے۔ اس عرصہ میں آپؑ کی باری آئی۔ فریق مخالف نے یک طرفہ کاروائی سے فائدہ اٹھانا چاہا، لیکن آپؑ برابر نماز میں مصروف رہے۔ نماز کے بعد عدالت میں حاضر ہوئے تو حاکم نے آپ کو بتایا کہ میں نے تو پہلے ہی آپؑ کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔ (حیات احمد جلد اول صفحہ 74)

حضرت معاذ بن جبلؓ کو جوانی کے زمانہ میں رسول پاک حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر یہ دعا سکھائی کہ خدایا مجھے حسن عبادت کی توفیق عطا فرما۔ چنانچہ معاذؓ نے اس نصیحت اور دعا کو بڑی وفا کے ساتھ عمل کے سانچے میں ڈھالا اور خوب عبادت کے حق ادا کئے۔ ذکر آتا ہے کہ راتوں کو اُٹھ کر نماز تہجد میں بڑے ہی پیار سے یوں مناجات کیا کرتے کہ اے میرے اللہ! لوگوں کی آنکھیں سو چکی ہیں، ستارے ڈوب گئے ہیں جب کہ تو زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والی ہستی ہے۔ اے اللہ! میری جنت کی طلب سست ہے اور میں آگ سے دُور بھاگنے میں بہت کمزور ہوں۔ اے اللہ! اپنے پاس میرے لئے ایسی ہدایت محفوظ رکھ جو مجھے قیامت کے دن لوٹا دے۔ یقیناً تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ ایک بار بیمار ہوئے تو ان الفاظ میں دعا کی کہ اے اللہ! مجھے تو بس تیرا ہی غم ہے۔ تیری عزت کی قسم تو جانتا ہے کہ مجھے تجھ سے محبت ہے۔ اتنا کہا کہ آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ ہوش آئی تو پھر یہی کلمات زبان پر تھے۔ (اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 377)

عبادت اور تقویٰ شعاری کے ضمن میں مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک بزرگ رفیق حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کے دو ایمان افروز واقعات یاد آئے جو اپنے اندر عظیم درس نصیحت رکھتے ہیں۔ پہلا واقعہ اس زمانے کا ہے جب آپ نئے نئے احمدی ہوئے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرا گزر ایک شہر سے ہوا تو اچانک میری نظر ایک اُونچے مکان پر پڑی جہاں ایک خوبصورت عورت بال بکھیرے ہوئے کھڑی تھی۔ میرے دل میں اس کو دوبارہ دیکھنے کی ہوس پیدا ہوئی۔ تو اس رات خواب میں میں نے دو فرشتوں کو دیکھا۔ ایک فرشتہ دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے میری نسبت یہ کہہ رہا تھا کہ:

> ”یہ شخص دیانت و امانت میں تو بہت ہی اچھا ہے بشرطیکہ اس کی
> نظر **لَکَ الاولیٰ** سے تجاوز کر کے **علیک الثانی** تک نہ پہنچے“

آپ فرماتے ہیں کہ اس کشفی تادیب وتنبیہ سے مجھے ہمیشہ کے لئے ایک مفید سبق مل گیا۔ (حیاتِ قدسی صفحہ 39)

دوسرا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک دوست کسی کام سے مجھے اپنے گاؤں لے گیا۔ اس کے اصرار پر رات اس کے ہاں قیام کیا۔ اتفاقاً اس دوست کو کسی کام کے لئے رات گھر سے باہر جانا پڑا۔ جاتے ہوئے اس نے گھر میں میری مہمان داری کے متعلق مناسب تلقین کر دی۔ اس کے جانے کے بعد اس کی بیوی نے جو خوب صورت اور جوان تھی مجھے آواز دی کہ میں آپ کا جسم دبانے کے لئے اندر آنے کی اجازت چاہتی ہوں۔ میں نے کہا کہ غیر محرم مرد کو ہاتھ لگانا سخت گناہ ہے اس لئے آپ اپنے کمرہ میں ہی رہیں۔ میرے پاس آنے کی جرأت نہ کریں۔ اس عورت نے اپنی غلطی پر اصرار کیا۔ میں نے پھر وہی جواب دیا۔ فرماتے ہیں کہ جب میں نے محسوس کیا کہ یہ عورت اپنے بد ارادہ سے باز نہیں آئے گی تو میں نے وضو کر کے مصلّیٰ بچھا لیا اور نماز پڑھنی شروع کر دی۔ نماز کے رکوع اور سجود کو اتنا لمبا کیا کہ ساری رات نماز میں گزر گئی اور اسی حالت میں صبح ہوگئی۔ نماز فجر پڑھتے ہی مجھے اتنی نیند آئی کہ میں مصلّیٰ پر سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ میرا منہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہے اور ایک فرشتہ نے بتایا کہ یہ تمام فضل اس مجاہدہ نفس اور خشیت اللہ کی وجہ سے ہوا ہے اور اس وجہ سے کہ آج رات تو نے تقویٰ شعاری سے گزاری ہے۔“ (حیات قدسی صفحہ 38)

اطاعت اور فرمانبرداری دین حق کی ایک بنیادی تعلیم ہے۔ دین حق کا مطلب ہی فرمانبرداری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کہ **وَاسْـمَـعُـوْا وَاَطِـيْـعُـوْا** (تغابن:17) ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کی زبان پر ہمیشہ **سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا** کے الفاظ ہوں اور اس کا عمل اس کے مطابق ہو۔ ایک صحابیؓ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا کہ بیٹھ جاؤ۔ بظاہر مخاطب لوگ کوئی اور تھے لیکن وہ صحابیؓ اسی جگہ بیٹھ گئے اور

بیٹھے بیٹھے گھسٹتے ہوئے مسجد نبوی میں حاضر خدمت ہوئے۔ ایسا ہی واقعہ حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں بھی پیش آیا۔ آپ کے رفیق کا طرز عمل بھی وہی تھا۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دہلی سے ارشاد ملا کہ فوراً آ جاؤ۔ آپ اس وقت مطب میں مصروف تھے۔ ارشاد سنتے ہی دہلی جانے کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستہ سے گھر والوں کو پیغام بھجوادیا کہ میں ارشاد کی تعمیل میں اپنے آقا کے قدموں میں حاضر ہو رہا ہوں۔ ریل کے ٹکٹ کے پیسے بھی جیب میں نہ تھے۔ اس توکّل کا پھل اللہ تعالیٰ نے اس طرح دیا کہ غیب سے غیر معمولی حالات میں اس کے اسباب مہیا کر دیے اور نورالدین پروانہ وار حاضر خدمت ہو گیا۔

حضرت حافظ روشن علی صاحب کی مثال سنئے۔ ابتدائی زندگی میں تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑوں کا ہوا کرتا تھا۔ آپ ہر جمعہ کی رات وہ جوڑا دھو لیتے اور جمعہ کی صبح کو پہن لیتے تھے۔ ایک رات سردیوں کے موسم میں وہ جوڑا آپ نے دھویا ہوا تھا کہ رات کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے پیغام آیا کہ گورداسپور کرم دین والے مقدمے کی پیشی کے لئے ابھی روانہ ہونا ہے آپ بھی آ جائیں۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نمونہ دیکھئے کہ آپ نے وہ کپڑے گیلے ہی پہن لئے اور سردی سے بچاؤ کے لئے اُوپر سے لحاف لے لیا اور فوراً حضور کے ساتھ چل پڑے۔ (تنویر القلوب جلد اوّل صفحہ 117)

اطاعت اور فرمانبرداری اس کو کہتے ہیں۔ نہ کوئی معذرت نہ کوئی عذر اور نہ ہی کوئی وضاحت یا تاخیر۔ ارشاد سنا اور اس کی تعمیل کو سعادت جانا۔

قرآن کریم میں انصار صحابہ کرامؓ کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَ یؤ ثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِہِمْ وَ لَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَا صَۃ

کہ ایسے نیک بندے ہیں جو اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں باوجود اس کے کہ انہیں خود تنگی درپیش ہوتی تھی۔ ایثار کی یہ خوبی اسلامی اخلاق فاضلہ میں

سے ہے۔ دوسروں کی ضروریات اور حاجات کو مقدم کرنا اور دوسروں کی خاطر دکھ اُٹھا کر انہیں آرام مہیا کرنا انسان کی عالی ظرفی، ہمدردی اور نیکی کو ثابت کرتا ہے۔ تاریخ اسلام کے اوّلین دور میں صحابہ کرامؓ نے اپنے عمل سے ایسی زرّیں داستانیں رقم کی ہیں جو اپنی عظمت کے اعتبار سے آج بھی زندہ ہیں اور زندگی بخش ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک فاقہ زدہ شخص آیا۔ اتفاق سے آپ کے گھر میں اس روز پانی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ آپؐ نے صحابہؓ سے کہا کہ کون ہے جو آج اس کی مہمانی کا حق ادا کرے گا؟ حضرت ابوطلحہؓ نے اس مہمان کو ساتھ لیا اور اپنے گھر لے آئے لیکن اتفاق ایسا تھا کہ ان کے گھر میں بچوں کے کھانے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ دونوں میاں بیوی نے بچوں کو بھوکا سلا دیا اور ان کا کھانا مہمان کے آگے رکھ دیا اور کسی بہانہ سے چراغ بجھا دیا۔ مہمان نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور دونوں میاں بیوی نے بھوکے پیاسے رات بسر کی اور مہمان کو اس بات کا احساس تک نہیں ہونے دیا۔ کتنا پیارا ایثار تھا حضرت ابوطلحہؓ اور ان کی بیوی کا کہ صبح کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بشارت دی کہ عرش پر خدا بھی تمہارے اس فعل سے بہت خوش ہوا۔

ایک جنگ میں تین صحابہؓ سخت زخمی ہو گئے۔ پیاس کی شدت سے جان بلب تھے۔ ایک صحابیؓ کو پانی پیش کیا گیا تو اُن کی نظر دوسرے پیاسے پر پڑی۔ فرمایا پہلے اُسے دو۔ دوسرا پانی پینے لگا تو تیسرے پر نظر پڑی۔ کہ وہ پیاس سے بے تاب ہے اُس نے کہا کہ پہلے تیسرے کو پانی پلاؤ۔ پانی پلانے والا اس تیسرے کے پاس آیا تو وہ شہید ہو چکا تھا۔ جلدی میں دوسرے کی طرف لوٹا تو وہ بھی دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ پہلے کی طرف جلدی سے پلٹا تو دیکھا کہ وہ بھی جام شہادت نوش کر چکا ہے! ایسا ایثار دنیا کی تاریخ میں یقیناً بے مثال ہے کہ ہر ایک دوسرے کو اپنی ذات پر مقدم رکھتا ہے اور تینوں ہی یکے بعد دیگرے اپنی جانیں نچھاور کر دیتے ہیں۔

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی کی روایت ہے کہ ایک دفعہ جلسہ سالانہ پر بہت مہمان آئے جن کے پاس سرمائی بستر نہ تھے۔ موجود بستر ختم ہو جانے پر منتظمین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر کے اندر سے بستر منگوانے شروع کئے اور مہمانوں کی ضروریات پوری کی گئیں۔ منشی صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں عشا کے بعد گھر کے اندر حاضر ہوا تو میں نے یہ نظارہ دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سردی کی وجہ سے بغلوں میں ہاتھ دیے بیٹھے تھے۔ ساتھ ہی صاحبزادہ محمود لیٹے ہوئے تھے۔ جن کے اُوپر مسیح پاک نے اپنا چوغہ اتار کر دیا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ مسیح پاک علیہ السلام نے اپنا اور بچوں کا لحاف اور بچھونا، سب کا سب مہمانوں کے لئے بھجوا دیا تھا۔ منشی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ کے پاس تو کوئی ایک بستر بھی نہیں رہا جبکہ سردی بہت زیادہ ہے آپ نے فرمایا۔

منشی صاحب! مہمانوں کو تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ اور ہمارا کیا ہے۔ رات کسی نہ کسی طرح گزر ہی جائے گی۔''

(رفقاء احمد جلد 4 صفحہ 113)

اور اب سنئے حضرت مسیح پاک کے ایک تربیت یافتہ اور بے لوث خدمت گزار حضرت حافظ معین الدین صاحب کا ایک دل گداز واقعہ۔ ان کا واقعہ سنتے ہوئے ہمیں اپنے آپ سے یہ سوال بھی کرنا چاہیے کہ ہم ان کی جگہ ہوتے تو کیا ہم بھی ایسا ہی کرتے؟ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار جب حضرت مسیح پاک علیہ السلام جالندھر تشریف لے گئے تو مجھے حکم دیا کہ تم ہمارے مکان میں رہنا۔ خرچ کے لئے ایک چوّنی مجھے دے گئے اور ساتھ ہی فرمایا کہ اگر کچھ قرض کسی سے لو گے تو میں آ کر ادا کر دوں گا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں کبھی ننگل گاؤں میں جا کر روٹی کھا لیتا اور کبھی درختوں کے پتے کھا کر دن گزار دیتا۔ ایک روز ہشیار پور سے ایک مہمان آ گیا۔ میں نے اس کو کہیں سے روٹی لا کر کھلائی۔ صبح کے وقت اپنے ہمسایہ کے گھروں سے آٹا مانگ کر اور ایک دوسرے گھر سے روٹی پکوا کر اس کو کھلائی۔ اور اسی طرح شام کو بھی اس کو

کھانا کھلایا۔ تیسرے روز بھی وہ یہیں رہا حالانکہ حضرت صاحب یہاں نہیں تھے۔ میں اس کو لے کر قریبی گاؤں گیا اور اُس کو ایک دکان پر بٹھا کر گھر گھر جا کر لوگوں سے دانے مانگے۔ جب ایک سیر کے قریب دانے ہو گئے تو کسی کے گھر جا کر چکّی سے انہیں پیسا اور آٹا لے کر اس کے ساتھ قادیان آیا اور روٹی پکوا کر اس کو کھلائی۔ چوتھے روز وہ خود چلا گیا۔

کسی نے حافظ معین الدین صاحب سے پوچھا کہ آپ نے یہ گداگری کیوں کی؟ تو آپ نے فرمایا۔

> ''میں نے اپنے واسطے تو گداگری کبھی نہیں کی مگر مہمان کو روٹی کھلانی تو ضروری تھی۔''

(رفقائے احمد جلد 13 صفحہ 310)

قرآن مجید میں بار بار اس بات کی تاکید آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے اموال خرچ کرو۔ انفاق فی سبیل اللہ کو مذہب اسلام میں جہاد کا درجہ حاصل ہے۔ مال کی محبت انسان کی طبیعت میں رچی بسی ہوئی ہے۔ محنت سے کمائے ہوئے مال کو راہ خدا میں خرچ کرنا ہر زمانہ میں ایک امتحان رہا ہے اور بالخصوص مادی ترقی کے اس دور میں تو انسان کے ایمان کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ راہِ خدا میں خرچ کرنے والا ہے یا نہیں۔ ہاں وہ لوگ جو اس بات پر محکم یقین رکھتے ہیں کہ دولت کا دینے والا خدا ہے یہ ہماری کوشش اور محنت کا نتیجہ نہیں، ان کے لئے یہ مرحلہ بہت آسان ہو جاتا ہے۔ وہ کھلے دل کے ساتھ پوری بشاشت کے ساتھ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کرتے چلے جاتے ہیں اور سجداتِ شکر بجا لاتے ہیں کہ ہمارے مولیٰ نے ہمیں توفیق دی ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے واقعات سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس اسلامی تعلیم پر جس طرح دل و جان سے عمل کیا وہ تاریخ عالم میں بے مثل

ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک غزوہ کے موقع پر نصف مال پیش کر دیا اور سوچا کہ میں اس میدان میں سب پر سبقت لے گیا ہوں۔ تھوڑی دیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ آئے اور اپنا سارا مال پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ مسابقت کی یہ دلفریب ادائیں ان فدائیوں نے کہاں سے سیکھیں؟ ان کے معلم، ہمارے معلّم اور کل جہان کے معلّم اور ساری دنیا کے لئے اسوۂ حسنہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اخلاق فاضلہ کے ہر میدان میں ہمیشہ سب سے آگے اور سب کے لئے بہترین نمونہ تھے۔

اس دورِ آخرین میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِسی دبستانِ محمدؐ سے یہ اخلاق سیکھے اور اُن پر ایسا عمل کر کے دکھایا کہ آپ کے در پر دھونی رَما کر بیٹھنے والوں میں بھی یہی اخلاقِ فاضلہ جگمگاتے نظر آتے ہیں۔ ابتدائی زمانہ کی بات ہے حضرت مسیح پاک علیہ السلام کو ایک اشتہار شائع کرنے کے لئے ساٹھ روپے کی ضرورت تھی۔ آپ نے حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی سے فرمایا کہ ضرورت فوری ہے کیا ممکن ہے کہ آپ کی جماعت اس ضرورت کو پورا کر سکے؟ حضرت منشی صاحب نے حامی بھر لی اور تھوڑی دیر میں مطلوبہ رقم لا کر حضور کی خدمت میں پیش کر دی۔ چند روز بعد حضرت منشی اروڑے خان صاحب ملنے آئے اور حضور نے کپورتھلہ جماعت کا شکریہ ادا کیا کہ آپ لوگوں نے بروقت مدد کی اس پر یہ راز کھلا کہ منشی ظفر احمد صاحب نے تو جماعت کے کسی دوست سے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ صرف اپنی بیوی کا زیور بیچ کر فوری طور پر جماعتی ضرورت پوری کر دی تھی! کتنی جان نثاری اور کتنی خاکساری اور کتنی بے نفسی ہے اس ایک واقعہ میں۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے واقعہ سے مجھے دورِ آخرین کے حضرت میاں شادی خان صاحب کی یاد آئی۔ سیالکوٹ کے لکڑی فروش بہت متوکّل انسان تھے۔ تنگدست تھے لیکن دل کے بادشاہ۔ ان کے بارہ میں مسیح پاک علیہ السلام نے فرمایا

ہے کہ انہوں نے۔ ’’درحقیقت وہ کام کیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔‘‘

(مجموعہ اشتہارات جلد 3 صفحہ 315)

اس فدائی انسان کا نمونہ یہ تھا کہ انہوں نے ایک موقعہ پر اپنے گھر کا سارا ساز و سامان فروخت کر کے تین سو روپے حضور کی خدمت میں پیش کر دیے۔ اُس زمانہ کے لحاظ سے یہ بہت بڑی قربانی تھی۔ حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے ایک مجلس میں اس پر اظہارِ خوشنودی فرمایا کہ میاں شادی خان نے تو اپنا سب کچھ پیش کر دیا۔ میاں شادی خان صاحب نے سنا تو سیدھے گھر گئے۔ ہر طرف نظر دوڑائی سارا گھر خالی ہو چکا تھا صرف چند چارپائیاں باقی تھیں۔ فوری طور پر ان سب کو بھی فروخت کر ڈالا اور ساری رقم لا کر حضور کے قدموں میں ڈال دی اور حضور کے منہ سے نکلی ہوئی بات لفظاً لفظاً پوری کر دی۔

انفاق فی سبیل اللہ کی توفیق کسی انسان کو تب ملتی ہے جب اس کو توکل علی اللہ کی نعمت نصیب ہوئی ہو۔ اس تعلق میں حضرت صوفی احمد جان صاحب لدھیانوی کا خوبصورت نمونہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت صاحبزادہ پیر افتخار احمد صاحب بیان کرتے ہیں۔

> ’’ہمارے گھر میں خرچ نہ تھا۔ میرے والد صاحب نے میری والدہ سے پوچھا، آٹا ہے؟ کہا نہیں۔ مال ہے؟ جواب نفی میں ملا۔ ایندھن ہے؟ وہی جواب تھا۔ جیب میں ہاتھ ڈالا۔ صرف دو روپے تھے فرمانے لگے۔ اس میں تو اتنی چیزیں پوری نہیں ہوسکتیں۔ اچھا میں ان دو روپوں سے تجارت کرتا ہوں۔ وہ دو روپے کسی غریب کو دے کر خود نماز پڑھنے چلے گئے۔ راستہ میں اللہ تعالیٰ نے دس روپے بھیج دیے۔ واپس آ کر فرمایا ’’لو میں تجارت کر آیا ہوں۔ اب سب چیزیں منگوا لو۔ اللہ کی راہ میں

مال دینے سے گھٹتا نہیں، بڑھتا ہے۔‘‘

(انعامات خداوند کریم صفحہ 221-222 تصنیف حضرت صاحبزادہ پیر افتخار احمد صاحب لدھیانوی)

بنی نوع انسان کی ہمدردی اور غم خواری اسلام کی ایک بنیادی تعلیم ہے۔ دوسروں کے آرام کا خیال رکھنا اور ان کی خاطر خود تکلیف اُٹھا کر ان کے آرام کا خیال رکھنا بہت ہی عمدہ خلق ہے۔ ہر شخص دل میں یہ نیک جذبات اور ارادے تو ضرور رکھتا ہے لیکن جب تک ان ارادوں کو عمل میں نہ ڈھالا جائے اس وقت تک اس فرض کا حق ادا نہیں ہوتا۔ یہ میدان بہت وسیع ہے اور اس خلق کو اپنی زندگیوں میں جاری کرنے کے بے شمار انداز ہیں۔ میں چند مثالیں عرض کرتا ہوں۔ ذرا دیکھیں کہ یہ مثالیں ہم سب کے لئے دعوت عمل کا کتنا زوردار پیغام اپنے اندر رکھتی ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہٗ کو جب اللہ تعالیٰ نے خلیفہ مقرر فرمایا تو آپ کو دوسروں کے آرام اور ضروریات کا اتنا خیال رہتا کہ آپ راتوں کو عموماً گشت کیا کرتے اور براہِ راست یہ معلوم کرتے کہ لوگ کس حال میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک رات یہ نظارہ دیکھا کہ ایک عورت کھانا پکا رہی ہے اور بچے اس کے پاس بھوک کی شدت سے چلا رہے ہیں پوچھا کہ بچوں کو کھانا کیوں نہیں دیتی؟ تو کہنے لگی کہ ہنڈیا میں کھانا نہیں، پتھر ڈالے ہوئے ہیں اور بھوکے بچوں کو بہلانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ حضرت عمرؓ پر یہ دیکھ کر کپکپی طاری ہوگئی۔ بڑھیا اور بچوں کی حالت دیکھ کر اپنی ذمہ داری کے حوالے سے ندامت میں ڈوب گئے۔ فوراً واپس آئے اور بیت المال سے کھانے کے سامان کی بوری تیار کی غلام سے کہا کہ اسے اُٹھا کر میری کمر پر رکھ دو۔ غلام کہنے لگا کہ امیر المومنین آپ کیوں اٹھاتے ہیں میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ فرمایا دنیا میں تو تم یہ بوجھ میرے لئے اُٹھا سکتے ہو لیکن قیامت کے روز تم میرا کوئی بوجھ نہیں اُٹھا سکتے! امیر المومنینؓ نے بوری اپنی کمر پر اٹھائی۔ بڑھیا کے گھر لائے۔ کھانا تیار ہوا اور بچوں نے کھایا اور بڑے مزے کی نیند سوئے۔

بڑھیا نے خوش ہو کر کہا۔ خدا آپ کو جزا دے، امیر المومنینؓ بننے کے اہل تو آپ ہیں نہ کہ عمر۔ حضرت عمرؓ کی عظمتِ کردار دیکھئے اور خاموش خدمت کا حسین انداز دیکھئے کہ بڑھیا کو ندامت سے بچانے کے لئے آپ نے بڑھیا پر یہ راز نہ کھولا کہ وہ عمر تو میں ہی ہوں۔ عاجزی اور خاکساری سے سر جھکا کر رخصت ہوگئے۔

حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے زمانے کی بات ہے ایک دفعہ بہت رات گئے ایک مہمان آگیا۔ اس وقت گھر میں کوئی چارپائی خالی نہ تھی۔ سب سو رہے تھے۔ حضور نے مہمان سے کہا کہ ذرا ٹھہریں میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔ آپ یہ فرما کر اپنے گھر کے اندر تشریف لے گئے اور پھر دیر تک باہر تشریف نہ لائے مہمان نے سوچا کہ شاید آپ بھول گئے ہیں اس وقت چارپائی کا کوئی انتظام نہیں ہو سکا اس لئے آپ واپس نہیں آئے۔ اتنے میں اس نے ایک نظارہ دیکھا اور حیرت کی تصویر بن گیا۔ اس نے ڈیوڑھی میں سے گھر کے اندر جھانک کر دیکھا کہ اندر صحن میں ایک صاحب جلدی جلدی چارپائی بُن رہے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود اپنے دستِ مبارک میں مٹی کا ایک دیا پکڑے اُس کے پاس کھڑے ہیں۔ تھوڑی دیر میں چارپائی تیار ہوئی تو وہ اُس مہمان کو پیش کر دی گئی۔ یہ نظارہ دیکھ کر مہمان کی عجیب حالت تھی۔ عرقِ ندامت میں غرق کہ میں نے آدھی رات کو حضور علیہ السلام کو اِس قدر تکلیف دی۔ اُدھر حضرت مسیح علیہ السلام کا خُلق دیکھئے کہ آپ بار بار اُس مہمان سے معذرت خواہ ہیں کہ معاف کرنا چارپائی لانے میں بہت دیر ہوگئی۔

انسان اپنے لئے، اپنے بیوی بچوں کے لئے دعائیں کرتا ہے۔ دوسروں کے لئے بھی دعائیں کرنے کی توفیق ملتی ہے کہ یہ بھی اسلامی تعلیمات میں شامل ہے لیکن دوسروں کے لئے دعا کرنے کا جو واقعہ میں ذکر کرنے لگا ہوں کم لوگوں نے سنا ہوگا اور بہت تھوڑے ہوں گے جو کبھی خود اس کیفیت سے گزرے ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے زمانے کا واقعہ ہے۔ چوہدری حاکم دین صاحب بورڈنگ کے ایک ملازم

تھے۔ ان کی بیوی پہلے بچے کی ولادت کے وقت بہت تکلیف میں تھی۔ اِس کربناک حالت میں رات کے بارہ بجے وہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے دروازہ پر حاضر ہوئے۔ دروازہ پر دستک کی آواز سن کر پوچھا کون ہے؟ اجازت ملنے پر اندر جا کر زچگی کی تکلیف کا ذکر کیا اور دعا کی درخواست کی حضور فوراً اُٹھے، اندر جا کر ایک کھجور لے کر آئے اُس پر دعا کر کے اُنہیں دی اور فرمایا۔ یہ اپنی بیوی کو کھلا دیں اور جب بچہ ہو جائے تو مجھے بھی اطلاع دیں۔ چوہدری حاکم دین صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں واپس آیا کھجور بیوی کو کھلا دی اور تھوڑی ہی دیر میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچی کی ولادت ہوئی۔ رات بہت دیر ہو چکی تھی میں نے خیال کیا کہ اتنی رات گئے دوبارہ حضور کو اِس اطلاع کے لئے جگانا مناسب نہیں۔ نماز فجر میں حاضر ہو کر میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کھجور کھلانے کے جلد بعد بچی پیدا ہو گئی تھی۔ اِس پر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے جو فرمایا وہ سننے اور یاد رکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ دل گداز الفاظ طبیعت میں رقت پیدا کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

> ”میاں حاکم دین! تم نے اپنی بیوی کو کھجور کھلا دی اور تمہاری بچی پیدا ہو گئی۔ تم اور تمہاری بیوی آرام سے سو گئے۔ مجھے بھی اطلاع دے دیتے تو میں بھی آرام سے سو رہتا۔ میں تو ساری رات جاگتا رہا اور تمہاری بیوی کے لئے دعا کرتا رہا۔“

چوہدری حاکم دین صاحب نے یہ واقعہ بیان کیا اور بے اختیار رو پڑے اور کہنے لگے۔

> ”کہاں چپڑاسی حاکم دین اور کہاں نور الدین اعظم۔“

(مبشرین احمد صفحہ 38 نیز رفقائے احمد جلد 8 صفحہ 71-72)

ہمارے محبوب آقا سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ تین باتیں جن سے انسان کو ایمان کی حلاوت اور مٹھاس محسوس ہوتی

ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ حالتِ کفر سے ایک بار نکل آنے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جانے کو اتنا ہی ناپسند کرے جتنا آگ میں دوبارہ ڈالے جانے کو۔ یہ ہے وہ استقامت جو ایک سچے مومن کی نشانی ہے۔ ایک مومن کو خواہ وہ پیدائشی مومن ہو یا بعد میں اسلام لایا ہو، زندگی کے دوران ایسے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جن میں اُس کے ایمان کا امتحان لیا جاتا ہے۔ لیکن حالات خواہ کچھ بھی ہوں، مصائب کتنے بھی شدید ہوں ہر حالت میں پوری استقامت کے ساتھ ایمان پر قائم رہنا ایک سچے مومن کی شان ہے۔ اسلام کی سچائی کا یقین اگر علم ہے تو اس ایمان پر قائم رہنا اور استقامت سے قائم رہنا عمل صالح ہے۔ تاریخ اسلام کا ہر دور ایسی روشن مثالوں سے منوّر نظر آتا ہے کہ مسلمانوں نے ہر مصیبت برداشت کی، ہر امتحان میں سرخرو ہوئے، حتیٰ کہ بعض نے اس راہ میں اپنی جانیں بھی قربان کر دیں لیکن ایک بار ایمان کا مزہ چکھ لینے کے بعد پھر اس شیریں جام کو اپنے منہ سے کبھی جدا نہیں کیا۔ اپنے عمل سے انہوں نے صبر و استقامت کی ایسی تاریخ رقم کی کہ ہمیشہ ایک مثال کے طور پر پیش کی جاتی رہے گی۔ واقعات کی تعداد اتنی ہے کہ انتخاب ایک مسئلہ ہے اور واقعات اس قدر دردناک ہیں کہ بیان کی طاقت نہیں۔

حضرت بلالؓ کا ظالم آقا آپ کو چلچلاتی دھوپ میں گرم ریت پر لٹا دیتا اور سینہ پر بھاری گرم پتھر رکھ دیتا کہ آپ حرکت بھی نہ کر سکیں لیکن آفرین ہے سیدنا بلالؓ کی استقامت پر کہ اس حالت میں بھی احد احد کے الفاظ کہتے ہوئے توحید الٰہی کا اقرار کرتے چلے جاتے۔ حضرت خبابؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا جاتا۔ ظالم آقا ان کے سینے پر سوار ہو جاتا اور یہ عذاب اس وقت جا کر ختم ہوتا جب جسم کی رطوبت نکل نکل کر آگ کو سرد کر دیتی۔ حضرت عمّار بن یاسرؓ استقامت کا ایک بلند مینار تھے۔ ان کو اور ان کے والدین کو ظالموں نے ایسے ایسے زہرہ گداز مظالم کا نشانہ

بنایا کہ آج بھی اُن کا ذکر آنے پر انسانیت کی جبیں عرقِ ندامت سے تَر ہو جاتی ہے۔ ظالم ابوجہل نے ان کی والدہ کی شرم گاہ میں نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ بدبخت ظالموں نے سب کچھ کیا لیکن ان کے ایمان اور استقامت کو متزلزل نہ کر سکے۔ کیوں نہ ایسا ہوتا وہ اُس خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثاروں میں سے تھے جن پر تاریخ انسانیت میں سب نبیوں سے زیادہ مظالم روا رکھے گئے۔ جس طرح اُس کوہِ صبر و استقامت کے سامنے ظلم کی ہر چوٹی سرنگوں ہوتی رہی اُسی طرح اُس کے جانثاروں نے اپنے عمل سے ثابت کر دکھایا کہ وہ صبر و استقامت کے بادشاہ کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔

یہ واقعات ایسے نہیں کہ محض تاریخ کے صفحات کی زینت بن چکے ہوں بلکہ یہ وہ زندہ و پائندہ صداقتیں ہیں جو اِس دور میں بھی بڑی شان سے دوہرائی جا رہی ہیں۔ صاحبزادہ سید عبداللطیف شہید کی عظیم الشان شہادت نے کس شان سے ثابت کیا کہ دین کی خاطر اپنی جانیں نچھاور کرنے والے کبھی بھی کم نہیں ہوتے۔ بادشاہ کی تاجپوشی کرنے والے اس بزرگ انسان کو ایک من چوبیس سیر وزنی زنجیر میں جکڑا گیا۔ ناک چھید کر نکیل ڈال کر سرِ مقتل لایا گیا۔ ہر طرح کا لالچ دیا گیا۔ بار بار فہمائش کی گئی مگر استقامت کے اس شاہزادے نے سنگسار ہونا قبول کر لیا لیکن ایمان کا سودا کرنا گوارا نہ کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کابل کا یہ عظیم فرزند پتھروں کے ڈھیر میں چھپ کر ہمیشہ کی زندگی پا گیا۔

جان کی بازی لگا دی، قول پر ہارا نہیں۔

حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے ایک اور عاشق صادق حضرت مولانا بُرہان الدین صاحب جہلمی نے جس شان سے راہِ خدا میں دکھ اُٹھائے اور استقامت کا علم سر بلند رکھا اس کی بھی اپنی ہی ایک نرالی شان ہے۔ حضرت مسیح پاکؑ ایک دفعہ

ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ حضرت مولوی صاحب بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے کہ اچانک اس گلی کی ایک بڑھیا کی آتش غیض وغضب بھڑک اُٹھی اور اس نے غصہ سے بے قابو ہو کر گھر کی گندگی اٹھا کر حضور پر پھینک دی۔ گندگی حضور پر تو نہ گری لیکن حضرت مولوی برہان الدین صاحب کے سر پر پڑی۔ ناک پر ایک مکھی بیٹھ جائے تو انسان غصہ سے بے قابو ہو جاتا ہے یہاں گندگی کا ایک ڈھیر تھا جو آپ پر گرا دیا گیا لیکن یہ سب کچھ خدا کی راہ میں تھا اور صرف اِس وجہ سے یہ سلوک آپ سے ہوا کہ آپ نے خدا کے فرستادہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کو مانا تھا۔ آپ نے اس بظاہر ذلت کو اپنے لئے ایک سعادت جانا اور عجیب وارفتگی اور مستی کے انداز میں منہ اُوپر اُٹھا کر اُس بڑھیا کو دیکھا اور کہا۔

’’پا او مائیے ہور پا!‘‘

ایک اور موقع پر مخالفین نے آپ کو پکڑ کر بہت مارا اور بالآخر زمین پر گرا کر آپ کی چھاتی پر سوار ہو گئے اور آپ کے منہ میں گوبر بھرنا شروع کر دیا۔ ذرا اس سفّا کی اور ظلم کا تصوّر کیجئے اور دیکھیں کہ اس حالت میں اس عاشق صادق اور پروانۂ مسیحِ دوراں کا ردّعمل کیا تھا۔ اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

’’او بُرہانیا ! ایہہ نعمتاں فیر کتھوں؟‘‘

صبر و استقلال کی یہ چٹانیں، عزم و استقامت کے یہ پہاڑ قامت وجود، اللہ تعالیٰ نے احمدیت کو عطا فرمائے جنہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اپنے عہدِ بیعت میں سچے اور ثابت قدم ہیں۔ اللہ اُن سے راضی ہو اور وہ اُس سے راضی ہوں۔

راہِ خدا میں دکھ اُٹھانے اور ضرورت پڑنے پر جانیں نثار کرنے کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ہمارے اس دور میں جو احمدیت کا ایک سنہری دور ہے اور آنے والی نسلیں ہمیشہ اس دور کو محبت اور چاہت سے یاد کیا کریں گی۔ اس دور میں بھی

سینکڑوں شہیدانِ احمدیت نے احمدیت کے چمن کو اپنے خون سے سینچا ہے اور ہزار ہا اسیرانِ راہِ مولیٰ نے احمدیت کی آبرو کی خاطر اپنی عزتیں قربان کی ہیں۔ آج اس وقت بھی یہ اسیرانِ راہِ مولیٰ جیل کی تاریک و تار کوٹھریوں میں آہنی سلاخوں کے پیچھے، عشق و وفا اور صبر و استقامت کی قندیلیں روشن کئے بیٹھے ہیں۔ لاریب انہی قندیلوں سے ایک روز سارا جگ منور ہو کر رہے گا۔

علم و عمل کے تقاضے بے شمار ہیں۔ چند مثالیں آپ کی خدمت میں عرض کی ہیں۔ آخر میں مَیں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایک اور میدانِ عمل بھی ہے جو ہماری راہ دیکھ رہا ہے۔ یہ میدان اپنے عہد و پیمان کو پورا کرنے کا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ تاریخِ اسلام کے ہر دور میں کس طرح عشاقِ اسلام نے اپنے ایمان کے تقاضوں کو عملی رنگ میں پورا کر دکھایا۔ انہوں نے علم و عمل کے علم کو بڑی شان سے سر بلند رکھا اور کبھی بھی سرنگوں نہ ہونے دیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اِن وفا شعار، راست باز اور صادق القول صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کا کس محبت سے ذکر فرمایا ہے۔ اس آیت کریمہ میں جو میں نے شروع میں بیان کی تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ج

کہ مومنوں میں ایسے مرد ہیں جنہوں نے، جس بات پر اللہ سے عہد کیا تھا اسے سچا کر دکھایا۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ پس ان میں سے وہ بھی ہے اس نے اپنی منت اور اپنے وعدہ کو عملاً پورا کر دکھایا وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ اور ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو وفا کے ساتھ ابھی انتظار کر رہے ہیں وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا اور وہ ایسے ہیں کہ انہوں نے ہرگز اپنے طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ ہاں وہ اُس وقت کے منتظر ہیں کہ کب موقع ملے اور وہ اپنے وعدوں کو پورے اخلاص کے ساتھ پورا کر سکیں۔

یاد رہے کہ ہم نے بھی اپنے مولیٰ سے کچھ عہد و پیمان کئے ہیں۔ ہم نے بھی

امام وقت کے مقدس ہاتھ میں ہاتھ دے کر وفا کی کچھ قسمیں کھائی ہیں۔ عہد بیعت کو بار بار صمیمِ قلب سے دوہرایا ہے۔ یاد رکھو کہ آج ان قسموں کو پورا کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ اپنے وعدوں کو سچ کر دکھانے کا دن آ گیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں عِلم کے بے پناہ خزانوں سے نوازا، قرآنِ کریم کا بحرِ عظیم ہمیں عطا ہوا۔ احادیث کا انمول خزانہ ہمیں نصیب ہوا۔ مسیح زماں نے روحانی خزائن کی دولت سے ہمیں مالا مال کیا۔ اب ان سب علوم کو عمل کے سانچے میں ڈھالنے کا وقت آ گیا ہے یہ باتوں کا وقت نہیں، عملاً کچھ کر دکھانے کا وقت ہے۔ دیکھو کہ دعوت الی اللہ، تربیت اور اصلاحِ نفس کے کتنے وسیع میدان ہیں جو ہمارے منتظر ہیں۔ کتنے تقاضے ہیں جو ہم نے پورے کرنے ہیں۔ اُٹھو! اور صدق و وفا کے ساتھ، اپنے نیک عزائم کو اعمال کے قالب میں ڈھالتے چلے جاؤ۔

عشق و وفا کی یہ سچی داستانیں، اسلاف کے یہ ایمان افروز واقعات، صرف سننے سنانے کی باتیں نہیں۔ اِن زندگی بخش واقعات میں ہم سب کے لئے ایک عظیم درسِ نصیحت مُضمر ہے۔ جس علم کو صحابہؓ نے اور ہمارے اسلاف نے سر بلند رکھا اُسے سر بلند رکھنا اور کل عالم پر لہراتے چلے جانا ہمارا فرض ہے۔

> پس اے دینِ احمد کے فدائیو! اور احمدیت کے جانثارو! اُٹھو اور خدمتِ دین کرنے کی جو بے تاب تمنائیں آج ہمارے سینوں میں موجزن ہیں ان سب کو عملی جامہ پہناؤ۔ خدا کے حضور اپنے سچے اور مخلصانہ ارادے، اعمالِ صالحہ کے خوبصورت طشتوں میں سجا کر پیش کرو کہ اللہ تعالیٰ کے حضور منہ کی باتیں اور زبانی دعوے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ اُس دربار میں تو نیک اور پُر خلوص اعمال کے نذرانے ہی قبول ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم

سب کو حسنِ عمل اور سعیٔ مشکور کی توفیق عطا فرمائے اور شرفِ قبولیت عطا فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لِلّٰہِ رب العالمین

سفر زندگی

پھیلا ہے سامنے مرے لندن کا مستقر
اترا ہے اک جہاز، تو اک مائلِ سفر
ہے آنے جانے والوں کی اک بھیڑ، اور بہت
ہیں محوِ انتظارِ عزیزانِ منتظر
ہر روز ہے رواں دواں خلقِ خدا یہاں
ہے دیکھتی یہ سلسلہ ہر شام، ہر سحر
بیٹھا ہوا مطار پہ میں سوچتا رہا
اسباق اس نظارے میں کتنے ہیں مستتر
دنیا میں جو بھی آیا ہے اک روز جائے گا
اور جو سفر عدم کا ہے اس سے نہیں مفر
پروانہ ہر بشر کو ملا زندگی کا ہے
منزل معیّن اس کی ہے آئے نہ گو نظر

راہِ حیات میں ہَیں نشیب اور فراز بھی
کتنے ہی موڑ آتے ہیں اس رَہ میں پُر خطر
کب آئے گی ندا اور کہاں ہو گی اس کی شام
کوئی نہیں یہ جانتا کس کو ہے یہ خبر
یہ زندگی سفر ہے ، سفر زندگی کا نام
خوش بخت وہ بشر ہے جو لوٹے گا با ظفر
ہر لمحۂ حیات ہے اس بات کا نقیب
طولِ امل کو چھوڑو کہ ہے وقت مختصر
محدود زندگی کا ہر اک لمحہ مثلِ زر
ضائع نہ ہو دقیقہ کوئی یوں کرو بسر
منزل کا کچھ پتہ نہیں ، سورج ہے ڈھل رہا
ہمت کرو بلند اور قدموں کو تیز تر
راشدؔ ہجوم خلق پہ ڈالو ذرا نظر
دنیا مسافرانِ عدم کا ہے مستقر

عطاء المجیب راشدؔ

نام کتاب................**علم وعمل**
مصنف..................عطاء المجیب راشد (امام بیت فضل لندن)
ناشر......................لجنہ اماء اللہ ضلع کراچی
شمارہ.....................91
طبع.......................اوّل
تعداد....................ایک ہزار
کمپوزنگ..............خالد محمود اعوان
ٹائٹل ڈیزائن.........محمد عثمان
پرنٹر.....................وائی آئی پریس

ILM-O-AMAL
BY
Ataul Mujeeb Rashed
Imam Bait-e Fazl, London
Published by:Lajna Imaa'illaah Karachi

Printed:Y.I.Press

اے میرے پیارے

اے مرے پیارے فدا ہو تجھ پر ہر ذرہ مرا
پھیر دے میری طرف اے سارباں جگ کی مہار
اے مرے پیارے جہاں میں تو ہی ہے اک بے نظیر
جو ترے مجنوں حقیقت میں وہی ہیں ہوشیار
اے مرے پیارے بتا تو کس طرح خوشنود ہو
نیک دن ہوگا وہی جب تجھ پہ ہوویں ہم نثار
اے مرے پیارے ضلالت میں پڑی ہے میری قوم
تیری قدرت سے نہیں کچھ دور گر پاویں سدھار
اے مرے پیارے مجھے اس سیلِ غم سے کر رہا
ورنہ ہو جائے گی جاں اس درد سے تجھ پر نثار

(درثمین)